© rasailojaraid.com

اسلام اِن موڈرن ہسٹری

ایک باب کا ترجمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر ڈبلو، سی، اسمتھ

مترجم

(جناب ضیاء الحسن صاحب فاروقی ایم۔اے)

ڈاکٹر ڈبلو۔ سی۔ اسمتھ کی کتاب موڈرن اسلام اِن انڈیا (Modern Islam in India) پہلی بار ۱۹۴۳ء میں چھپی تھی، اس وقت سے ہند و پاکستان کا پڑھا لکھا طبقہ اُن کو جانتا ہے۔ ہندوستانی مسلمان اور ہندی اسلام سے انھیں شروع سے دلچسپی رہی ہے، اس دل چسپی میں ہمدردی کا عنصر بھی شامل ہے۔ پچھلے چند برسوں سے اس دلچسپی کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے اور اس کا دامن اسلام اور دنیائے اسلام تک پھیل گیا ہے۔ اسلام اور مسلم تحریکوں کو سمجھنے کے لئے انھوں نے، جب کبھی موقعہ ملا ہے، مُسلم ممالک کا سفر کیا ہے، اسلامی زبانیں سیکھی ہیں اور ماضی اور حال کا گہرا مطالعہ کیا ہے، یہ اسلامیات کے مطالعہ ہی کا شوق ہے جس نے اُن کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ میکگل یونیورسٹی، مانٹریل (کنیڈا) میں اسلامی علوم اور زبانوں کے درس و تدریس اور ریسرچ کے لئے ایک انسٹیٹیوٹ قائم کریں۔ آج اس انسٹیٹیوٹ کے پاس دس ہزار سے زیادہ معیاری کتابوں پر مشتمل ایک اچھا کتب خانہ ہے۔ اس کے علاوہ تحقیقی علمی کاموں کے لئے دوسری سہولتیں بھی مہیا ہیں۔

اسلام اِن موڈرن ہسٹری (Islam in Modern history) جس کے ایک باب کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے، ۱۹۵۷ء کے وسط میں چھپ کر آگئی تھی۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب موصوف کی برسوں کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس موقع پر میں کتاب پر ریویو نہیں کرنا چاہتا، البتہ اتنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ حال میں مستشرقین نے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کتابیں لکھی ہیں اُن میں یہ کتاب اور پروفیسر گب (ہارورڈ یونیورسٹی۔ امریکہ) کی کتاب موڈرن ٹرینڈز اِن اسلام (Modern Trends in Islam) (شکاگو ۱۹۴۷ء) بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اُن علمی، ذہنی اور نفسیاتی رجحانات سے بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مسلم دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ بڑے گہرے مسائل چھیڑے گئے ہیں۔ وہ رجحانات اور وہ مسائل جن سے خود تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ بڑی حد تک بے خبر ہے یا غیر شعوری طور پر بے تعلق ہے۔ ڈاکٹر اسمتھ کی اس نئی کتاب میں آج کے ہندوستان کے مسلمانوں کی ذہنی کیفیت، وہ نئی صورت حال جس سے وہ دوچار ہیں اور گوناگوں پیچیدہ مسائل کی طرف بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ اس کے اس باب کا ترجمہ کروں جس کا تعلق مسلمانانِ ہندوستان سے ہے تاکہ حساس اور سوچنے والے وہ مسلمان جو انگریزی زبان نہیں جانتے، اِسے پڑھیں اور سمجھیں اور اگر انھیں اس میں کوئی تعمیری پہلو نظر آئے تو اس کو ذمہ داری کے ساتھ قبول کریں۔ ایسے مضامین پر غور و فکر کرنے کے لئے میں جس چیز کو بہت ضروری سمجھتا ہوں وہ نیک نیتی، دیانت داری اور بے تعصبی ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے دیس کے مسلمان اس مضمون کو ہر طرح کے تعصباتِ ذہنی سے ماوراء ہو کر پڑھیں۔

(ضیاء الحسن فاروقی)

۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو اُس کے ساتھ ساتھ اس کا مسلمانوں کا فرقہ بھی تقسیم ہو گیا۔ اس واقعہ سے اس فرقہ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان اس بنیاد پر بنایا تھا کہ اُن کی جماعت ایک (ناقابلِ تقسیم) واحدہ ہے۔ مسلم لیگ نے یکایک (مسلمانوں کے لئے) ایک الگ ریاست کا نعرہ جو لگایا وہ درحقیقت اس کے اس نظریہ کا ضمنی نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیئے۔ بڑی شدّت کے ساتھ اور پُرزور لفظوں میں اس نے اعلان کیا کہ ہند کے مسلمان ایک علاحدہ قوم ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک قوم محسوس کرنے میں کامیاب رہے۔ لیکن مسلم لیگ کی پالیسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ہندوستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(قبل از تقسیم) کے مسلمان دو الگ قومیں ہیں[1]۔

تقسیم سے پہلے کے ہندوستانی مسلمان اب[2] دو علاحدہ قومیں ہیں، نہ صرف اس لحاظ سے کہ ان دونوں کے درمیان ایک سیاسی حد کھینچ دی گئی ہے (حالات نے اس حد بندی کو اور پختہ کردیا ہے اور آمد و رفت، خبروں کا گذر، ایک دوسرے کو سمجھنے کے امکانات اور تجارتی تعلق۔ یہ سب معاملات اکثر مشکل ثابت ہوئے ہیں اور بسا اوقات تو ختم ہو گئے ہیں۔) بلکہ بنیادی طور پر بھی یہ دو الگ الگ قومیں بن گئی ہیں۔ اب ان کے سامنے جو مسائل ہیں وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور وہ جس پالیسی پر عمل پیرا ہیں وہ نہ صرف مختلف بلکہ متضاد بھی ہے۔ ایک کا مفاد دوسرے کے لئے مُضر ہو سکتا ہے یا اس کے نتائج دوسرے کے حق میں تباہ کن ثابت ہو سکتے ہیں۔ دونوں کے دنیاوی مفادات میں، خواہ آخر میں وہ ایک دوسرے سے نہ ٹکرائیں، فی الحال کوئی مطابقت نہیں ہے۔ ان کے روحانی معاملات اور اخلاقی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کا تاریخی ارتقا متضاد اصولوں کی بنیادوں پر ہو، ممکن ہے ان کا مذہبی قافلہ واضح طور پر دو متخالف راستوں پر گامزن ہو۔ مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ اب اپنی الگ الگ "تقدیر" رکھتے ہیں اور چونکہ ان کی ذمہ داریاں اور سرگرمیاں مختلف ہیں اس لئے ان کی رفتار ان کے اپنے وجود کی خصوصیات کے پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق برصغیر ہند و پاکستان میں ۹ کروڑ ۴۴ لاکھ ۵۰ ہزار مسلمان تھے[2] اور ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق اُن کی تعداد تقریباً ۱۰ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی[3]۔ اس

---

[1] ہندوستان کے بعض مسلمان یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کی تقسیم نے مسلمانوں کو تین قوموں میں تقسیم کردیا ہے ہندوستان کے مسلمان اور پاکستان میں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مسلمان، اور یہ تینوں آگے چل کر اپنا الگ الگ پارٹ ادا کرنے والی ہیں۔ [2] ہندوستان کی مردم شماری: ۱۹۴۱ء، دہلی ۱۹۴۳ء۔

[3] یہ تعداد و شمار اس طرح ہیں: پاکستان ۶ کروڑ ۴۹ لاکھ ۶۰ ہزار (پاکستان کی مردم شماری ۱۹۵۱ء: آبادی مذہب کے لحاظ سے ٹیبل نمبر ۶۔ مردم شماری بلیٹن نمبر ۲، صفحہ ۱)؛ ہندوستان ۳ کروڑ ۵۴ لاکھ (ٹائمز آف انڈیا ڈائرکٹری اینڈ ایئر بک ۵۶-۱۹۵۵ء بمبئی صفحہ ۹ تا ۱۰) کشمیر ۳۲ لاکھ (یہ اندازہ ۱۹۵۱ء میں مجموعی آبادی جیسا کہ ٹائمز آف انڈیا نے دی ہے اور جو ۴۴ لاکھ ۱۰ ہزار ہے اس کے ۷۷ فیصدی کو لے کر لگایا گیا ہے۔ ۱۹۴۱ء میں ۷۷،۱۱ فیصدی کا اندازہ تھا۔ ڈبلیو۔ نارمن براؤن، دی یونائیٹڈ اسٹیٹس اینڈ انڈیا اینڈ پاکستان، کیمبرج ۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۵۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے تقریباً ۳۲ر۳ فی صدی کشمیری ہیں۔ اس وقت انھیں کس طرف رکھا جائے یہ بتانا مشکل ہے نصف سے کچھ زیادہ غالباً ۳۰ر۵۶ فی صدی پہلے سے ہی اس علاقہ میں بستے تھے جس کا نام اب پاکستان ہے۔ تقریباً ۶ فیصدی تعداد تقسیم کی ہنگامہ خیزیوں میں پاکستان ہجرت کر گئی (ان میں زیادہ تعداد مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی ہے۔ اس کے علاوہ مغربی بنگال سے ایک معتدبہ حصہ اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے کچھ مسلمان جن میں زیادہ تر متوسط طبقہ کے لوگ شامل ہیں، پاکستان چلے گئے) تقریباً نصف فی صدی لوگ فسادات کی نذر ہو گئے۔ تقریباً ۳ کروڑ ۵۰ لاکھ، یا اس سے کچھ اور زیادہ، نئے اور آزاد ہندوستان کے شہری بنے۔ یہ دیکھنا ہے کہ آگے چل کر سارے کشمیری مسلمان یا ان میں سے کچھ ہندوستانی مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ بہر حال ان کے شامل ہونے کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد (۱۹۵۶ء کے اندازہ کے مطابق) ۴ کروڑ سے زیادہ ہو جائے گی۔ ہر صورت میں ہمیں ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک نئی اور ممتاز حیثیت سے جائزہ لینا ہے۔

اس نئے گروپ کی تشکیل کے مثبت اور منفی دونوں پہلو ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کو اس بات کا کہ وہ کیا نہیں ہیں بہ نسبت اس کے کہ وہ کیا ہیں، زیادہ احساس رہا ہے۔ کچھ مسلمان، جہاں تک ان کے نجی رجحانات اور جذبات کا تعلق ہے، یقیناً اس نئے گروپ کو منفی نقطۂ نظر سے دیکھیں گے۔ مثلاً مسلمانوں کا وہ طبقہ جو پاکستان بننے کے بعد پاکستانی نہ بن سکا۔ انھوں نے اپنے آپ کو پاکستانی سمجھا اور یہ محسوس کیا ہے کہ وہ اپنے وطن سے دور رہیں۔ ہم نے خود ہی اس مقالہ کا آغاز ہندوستانی مسلمان اور پاکستانی مسلمانوں کو "دو الگ قومیں" قرار دے کر، کیا ہے۔ ہم نے یہ تقسیم محض اس لئے نہیں کی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اس سائیکلوجی کی طرف اشارہ کریں جس کا تعلق ان کے اس احساس سے ہے کہ انھیں دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے یہ احساس یقیناً غالب رہا ہے اور اس کی وضاحت ہم بعد میں کریں گے۔) بلکہ اس سے

---

[1] ٹھیک تعداد نہیں معلوم، یہ اعداد گویا ۱ کروڑ میں سے ۶۰ لاکھ کے اندازہ کے مطابق ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ ضروری یہ ہے کہ ہم ان مسلمانوں کی زندگی کے مُثبت پہلوؤں کو، اِن کی الگ الگ نئی تقسیم کے پیش نظر، سامنے لائیں اور اُن کے اس استحقاق کو ثابت کریں کہ ان کا الگ الگ حیثیتوں سے مطالعہ کرنا چاہیئے۔

یقیناً ہمارا خیال ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی جمعیت ایک بڑی اور اہم جمعیت ہے یا بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آج ساری دنیائے اسلام میں اس جمعیت کا شمار بہت اہم اور جاندار جمعیتوں میں ہونا چاہئے۔ اِن کا جو کام ہوگا، ان کا جو رویّہ ہوگا، اور یہ جو تہذیبی اور مذہبی) حیثیت اختیار کریں گے، ہماری نظر میں، اسلام کے اس نئے تاریخی دور میں، اس کی بڑی اور وزنی اہمیت ہے، اس سے کہیں زیادہ اہم پارٹ وہ ادا کرنے والے ہیں جتنا کہ خود انھوں نے یا باہر کے مسلمانوں نے اور غیر مسلموں نے اُن کے بارے میں سوچا ہے۔ انھوں نے، بُنیادی طور پر تاریخِ اسلام کے ایک اہم باب کو لکھنا شروع کر دیا ہے (دیکھئے اس کا خاتمہ کہاں اور کس طرح ہوتا ہے — مترجم)

اس "اہمیت" کا تعلق محض معاشی اور تہذیبی زندگی سے ہی نہیں ہے۔ اس کے ڈانڈے مذہبی زندگی سے بھی ملتے ہیں۔ (تقسیم کے بعد) ہندوستان کے مسلمانوں نے، غیر شعوری طور پر، ایک نئے میدان میں قدم رکھا ہے۔ انھیں ایک نئی زندگی بنانی، سنوارنی اور گذارنی ہے۔ وہ اسلام جو ہندی مسلمانوں کے دل میں ہوگا (اور جیسے وہ عزیز رکھیں گے اور جیسے وہ اپنے حالات کے مطابق برتیں گے) ان کا اپنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے، اور غالباً ایسا ضرور ہوگا، کہ ہندستانی اسلام پاکستانی اسلام سے جیسا کہ وہاں کے مسلمان اُسے بنا رہے ہیں، مختلف ہو۔ (یعنی اس کی اپنی خصوصیات ہوں۔) اور حالات ایسے ہیں کہ یہ (ہندی نژاد) اسلام زیادہ ترقی پسند اور جان دار ہوسکتا ہے، زیادہ تخلیقی، وسیع النظر اور سچا ہوسکتا ہے۔

اس دعوے کی تائید میں جلد ہی مختلف دلائل پیش کئے جائیں گے۔ مسلمانوں کی اس جماعت کی بنیادی اہمیت، ہمارے نزدیک خاص طور سے ان باتوں کے پیشِ نظر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اس کی اتنی بڑی تعداد۔

(۲) اس کی تاریخ اور روایات۔

(۳) نئے ہندوستان کے رنگارنگ اور پیچیدہ حالات میں اس کی شرکت، اس کا حصہ اور اس کی اقلیتی حیثیت ـــــ اگرچہ اس احساس سے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں انھیں اپنی اہمیت کا نہ صرف یہ کہ اندازہ نہیں ہوتا بلکہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو غیر اہم تصور کرتے ہیں ـــــ اگر ایک طرف انھیں اپنی خودی سے آگاہ ہوتے، اپنی اہمیت اور اپنی حقیقت پہچاننے کی راہ میں پاکستان سے اُن کا جذباتی لگاؤ اور پاکستان سے باہر رہ جانے کا خیال حائل رہا ہے تو دوسری طرف یہ احساس ان کے دل و دماغ پر چھایا رہتا ہے کہ ہندوؤں سے ان کے تعلقات اچھے نہیں رہے ہیں اور یہ خوف ان سے دور نہیں ہوتا کہ ہندو انھیں مغلوب کرلیں گے۔ یہ بات کہ وہ خود کیا ہیں، یہ سوال کہ نئے ہندوستان میں اُن کی ماہیت کیا ہے، دب جاتا ہے اس تشویش سے کہ دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا رہی ہے اور اب کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بہر حال، اس مسلم اقلیت کی فلاح و ترقی اور اس کی آیندہ نسلوں کا مستقبل ہی آزمائش میں نہیں مبتلا ہے بلکہ اس کے اپنے مسائل کے حل کرنے کی کامیابی اور ناکامی کا اثر ہندوستان اور اسلام کی تاریخ پر بھی پڑے گا، آج کے چیلنج کو یہ کس بُردباری اور دانش مندی سے قبول کرتی ہے اس سے بھی اس کے ملک اور مذہب کی تاریخ متاثر ہوگی۔

۱۹۴۷ء سے پہلے آج کے ہندوستان کی مسلم اقلیت کی اپنی کوئی ممتاز حیثیت نہیں تھی یہ ایک بڑی مسلم جمعیت کا حصہ تھی۔ لیکن واقعات نے اس کو ایک منفرد مقام پر لاکر کھڑا کر دیا ہے، اس نئی منزل میں یہ ہے اور اس کی اس پوزیشن کو سنجیدگی سے قبول کرنا چاہیے۔ یہ ایک بالکل نئی پوزیشن ہے، خود اس اقلیت کو اس کا احساس نہیں ہے۔ تعمیری اور تخلیقی نقطۂ نظر تو خیر بڑی چیز ہے، ذہنی اور جذباتی طور پر بھی وہ اس حقیقت کو نہیں تسلیم کرپائی ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ایک نئی صورتِ حال نے جنم لیا۔ اس کے تقاضے کچھ اور ہیں اور اس کے بعد ایک نئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کی جو ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں وہ پہلے سے مختلف ہیں۔ اس گروپ نے ابھی یہ حقیقت پوری طرح نہیں سمجھی ہے کہ یہ ایک "نیا گروپ" ہے۔

یہ نئی صورتِ حال، اس کے مسائل اور اس کے تقاضے اتنے نئے اور اچھوتے ہیں کہ پہلے کبھی اس طرح کی کوئی صورتِ حال تاریخ اسلام میں نہیں ملتی۔ مسلمانانِ ہند کا یہ نیا گروہ اتنا ہی نیا ہے جتنا پاکستان۔ ایک اور پہلو سے اگر دیکھا جائے اور جس سے آگے چل کر ہم بحث کریں گے، یہ گروہ زیادہ قدیم ہے اور اپنے پیچھے زیادہ تاریخی حقایق رکھتا ہے۔ بہر حال بعض معاملات میں، خاص طور سے جہاں تک مذہبی معاملات سے تعلق ہے اس کی حیثیت نئی ہے، یہ ایک "بدعت" ہے بالکل جدید، لیکن یہ ایک حقیقت بھی ہے۔

دنیائے اسلام کے تمام علاقے آج ایک نئی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ یہ بیسویں صدی میں رہنے کی برکت ہے۔ ہر علاقہ کا اپنا معاملہ الگ اور انوکھا ہے اس عہد میں تاریخ اسلام کا دھارا الگ الگ کئی حصّوں میں مختلف انداز سے بہہ رہا ہے ہندوستانی مسلمانوں کی جماعت اس حقیقت سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔ آج اسلامی تاریخ کی نشو و نما میں اس کا رول انوکھا ہے اور زیادہ تر اس کا اپنا ہے۔ ماضی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حال میں اس کا سہیم و شریک کوئی نہیں اور اس لئے اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے اس نئی صورتِ حال کا مقابلہ حسنِ کردار اور خوش اسلوبی سے کر لیا تو ان کی جماعت عصرِ حاضر کے اسلام میں نمایاں اور اہم حیثیت کی مالک ہوگی۔

تعداد بذاتِ خود زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ مصر، ترکی اور ایران کی آبادی پاکستان اور انڈونیشیا سے بہت کم ہے لیکن تاریخ اسلام میں ان کی اپنی اہم حیثیت مقدم ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد کم نہیں اور ماضی میں اگر اسلامی تاریخ میں مسلمانانِ ہند کا حصہ عربوں سے کم رہا ہے تو انڈونیشیا جیسے بڑے مسلم ملک کے مقابلہ میں کہیں زیادہ رہا ہے۔ اس لئے قطع نظر تعداد کے دیکھنا یہ چاہیئے کہ اسلامی تاریخ میں ہندی مسلمانوں کا پارٹ بڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اہم رہا ہے۔ اس طرف اشارہ کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ آج ہندوستانی مسلمانوں کے پیچھے ہزار سالہ تاریخی شاندار روایات ہیں، جو بڑی گراں بہا ہیں، بڑی رنگا رنگ ہیں، خاص طور سے حکومت، فنونِ لطیفہ، مذہبی فکر و عمل کے مختلف گوشوں میں ان روایات کی اپنی خصوصیت ہے، اپنی اہمیت ہے۔ مذہبی خیالات اور اعمال میں صوفیوں کی روایات بڑی روشن ہیں، ان روایات کی گود میں ایک زندہ اور ممتاز تمدن نے جنم لیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس تمدن کی عظمت پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ یہ ایک ناقابلِ انکار سچائی ہے، اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی سوال اٹھا سکتا ہے تو یہ کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں کیا یہ صلاحیت ہے کہ وہ ان روایات کو زندہ اور جاری رکھ سکیں اور اس سلسلہ کو ٹوٹنے نہ دیں؟ بہر حال قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں کوئی رائے قایم کی جائے ہمیں اس مسلم اقلیت کے حالات اور سرگرمیوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ ہم نے خود صورتِ حال کے نئے ہونے پر زور دیا ہے، پھر بھی اگرچہ یہ نئی صورتِ حال ہے، لیکن ایک طویل سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے۔

ایک طرح سے پاکستانی اور ہندوستانی مسلمان دونوں ایک ہی ماضی کے وارث ہیں۔ دونوں کے پیچھے ایک ہی قسم کی روایات ہیں، تہذیبی اعتبار سے ہر ایک کے پاس وہی میراث ہے جسے ہم "ہندوستانی اسلام" کہتے ہیں اب یہ ان پر ہے کہ وہ اس کو کس طرح برتتے ہیں اور اسے کیا شکل دیتے ہیں۔ اسی بات کو اگر دوسرے زاویۂ نگاہ سے دیکھئے تو بر خلاف ان لوگوں کے جنھوں نے اس پر لاپروائی سے غور کیا ہے، پاکستان اس تہذیبی ارتقار کے سلسلہ کو توڑ دیتا ہے۔ اور اس لحاظ سے پاکستان ایک نئی چیز ہے۔ برصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بھی یہ نیا ہندوستان ہی ہے جو اگرچہ اب چھوٹا رہ گیا ہے لیکن اس قدیم تہذیبی سلسلہ کو جوڑے ہوئے ہے۔ روایات ہجرت نہیں کرتیں اور تاریخ ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں پناہ نہیں لیتی۔ نئے ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے اجداد کی جو روایات اور تہذیبی ذخائر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملے ہیں وہ اُن کے ترکہ سے کہیں زیادہ ہے۔ نظام حیدر آباد سے لے کر تاج محل تک، دیوبند سے لے کر علی گڈھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ تک ——— یہ سب ادارے اور ان کی روایات و خصوصیات ہندوستانی مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ اُردو زبان کے گہوارے ہندوستان ہی میں رہ گئے۔ اس طرح ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء میں جو نئی زندگی شروع کی وہ خلاء میں نہیں شروع کی۔ اس کے ساتھ روایات کا وہ پشتارہ ہے جو اسے ماضی سے ملا ہے اور جس کی "ہندوستانیت" آشکارا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی کہانی طویل ہے، اس میں بڑے نشیب و فراز ہیں۔ اس کے بعض مقامات بڑے اہم ہیں، اس کی ایک اپنی شان ہے، عظمت ہے، یہ بڑی ہنگامہ خیز رہی ہے، سوز اور ساز دونوں اس میں ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ کہانی ختم نہیں ہوئی ہے۔

اب ہم ہندی مسلمانوں کی پوزیشن کے سب سے زیادہ مخصوص پہلو سے بحث کریں گے۔ اگر تعداد اور ماضی کے روایات کے پیشِ نظر اس کو کسی دوسری اسلامی "کمیونٹی" کے دوش بدوش کھڑا کیا جا سکتا ہے تو سیاسی اعتبار سے اس کا معاملہ دوسروں سے نہ صرف مختلف بلکہ انوکھا ہے۔ ترکی، ایران، پاکستان اور انڈونیشا آزاد قومی ریاستیں ہیں۔ عرب اور ہندوستانی مسلمان اپنے اپنے حالات کے پیشِ نظر مختلف ہیں۔ عرب اگرچہ زبان اور کلچر کے اعتبار سے شعوری طور پر اپنے آپ کو ایک سمجھتے ہیں لیکن سیاسی لحاظ سے وہ متحد نہیں ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان جن کی زبان ایک نہیں (نصف سے زیادہ اُردو بولتے ہیں اور تقریباً ایک تہائی بنگالی) لیکن جو تہذیبی اعتبار سے کسی قدر متحد ہیں اور جو بڑی حد تک اس کا احساس بھی رکھتے ہیں، ایک ہی ملک کے شہری ہیں۔ اور ایک ایسے ملک کے شہری جس کا شمار ہر لحاظ سے آج دنیا کے اہم ترین ملکوں میں ہے۔ اس لئے عہدِ حاضر کی اسلامی دنیا میں جس چیز نے انھیں ایک مختلف حیثیت دے دی ہے اور جو آج حقیقت میں اُن کی سب سے بڑی خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی ری پبلک کے شہری ہیں جس میں بھاری اکثریت غیر مسلموں کی ہے چین، سوویٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوگین اور نیگرو افریقہ کے مسلمانوں کو ان کی تعداد کی کمی اور مقابلۃً بہت کم تاریخی اہمیت کے پیش نظر، ہندی مسلمانوں کے مقابلہ میں نہیں لایا جا سکتا مزید برآں سب سے بڑا اختلافی پہلو یہ ہے، کہ وہ آزاد نہیں ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ انوکھی صورتِ حال پیچیدہ ہے اور ضرورت ہے کہ واضح طور پر اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن شروع میں بہت سے مسلمانوں کے نزدیک یہ بڑی سادہ اور آسان معلوم ہوئی یعنی یہ کہ انھوں نے اپنے خوابوں کی اچھی تعبیر اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جو امید قایم کی تھی اس میں انھیں بکمل طور پر ناکامی اور انتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ اور انھوں نے ایسا محسوس کیا کہ ہر طرف سوائے ویرانی کے اور کچھ نہیں

ہمارا خیال ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اُن کے مذہب اور ان کی موجودہ تاریخ میں مطابقت اور ہم آہنگی نہیں۔ یہ عدمِ مطابقت پورے طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کے سامنے جلوہ گر ہوئی۔ اگر دوسری اسلامی جمعیتوں کے سامنے صرف یہ حقیقت تھی کہ مسلمانوں کی دنیوی زندگی کا جلال و شکوہ زوال آمادہ منزلوں سے گذر رہا تھا اور ان کی تاریخ کا بڑھتا ہوا قافلہ رک گیا تھا یا اس کی رفتار سست ہو گئی تھی، تو ہندوستان میں مسلم جمعیت یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ ماضی کی شان و عظمت اور زمینی زندگی کی ساری برکتیں نابود ہو گئی ہیں۔ اور جب کہ اسلامی تاریخ کے دوسرے گوشے اپنے آپ میں خدائی مقاصد سے کوئی مناسبت نہیں محسوس کرتے تھے تو اس جمعیت نے ایک پاکستان کے قیام کے لئے جد و جہد کی جہاں اسلامی تاریخ کا کم از کم ایک جزو ایک بار پھر سچی عظمت کی جلوہ سامانیوں سے جگمگا سکے۔

ہندوستان کی موجودہ مسلم جمعیت آگ اور خون، نفرت اور وحشت کی ایسی فضا میں اُبھری جہاں جنگی نعروں کی گونج تھی۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا اور خوفناک فسادات اور قتل و غارت گری کے جلو میں ہندوستان اور پاکستان کی دو نئی ریاستیں وجود میں آئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب اِن دنوں کے تشدد اور زیادتیوں کا اثر دونوں ملکوں نے پوری طرح محسوس کیا تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان ملکوں کی اقلیتوں پر کیا گذری ہو گی جن کو بے بسی اور خوفزدگی نے نڈھال کردیا تھا۔ اور یہ صورتِ حال آزادی کے بعد شروع کے چند مہینوں ہی میں ختم نہیں ہو گئی بلکہ دونوں ملکوں کے مابین بڑھتے ہوئے تناؤ کے ساتھ کئی سال تک جاری رہی۔ پُرجوش اندھی اور جذباتیت کی ماری ہوئی، فرقہ پرستی کا پس منظر لئے ہوئے اور ایک تباہ کُن طوفان سے گُذرتی ہوئی یہ مُسلم جمعیت ایک ایسے ملک میں اقلیت بن کر ظاہر ہوئی جس کی عام آبادی اُس کو اور جسے وہ غیر اور اپنا سخت دشمن تصور کرتی تھی۔

جب جذبات سرد پڑے تو خوف کی فضا ختم ہوئی لیکن مشکلات قایم رہیں۔ نئے ہندوستان نے جلد ہی اپنے آپ کو شروع کے انتشار کی دلدل سے نکال لیا اور کسی قدر حوصلے اور ہوشیاری کے ساتھ خوراک کی کمی اور اس طرح کے دوسرے بحرانی مسائل کو قابو میں لانے کی کوشش کی، اس نے تعمیری، ذمہ دارانہ، مشکل اور حوصلہ بخش کام یعنی آج کی پیچیدہ اور ولولہ انگیز دنیا میں آزاد رہ کر جینے کے کام کی بنیاد ڈالنی شروع کی۔ کچھ مسلمانوں نے بھی، خاص طور سے گنتی کے وہ چند افراد جنھوں نے ہندوستانی نیشنلزم سے اپنے آپ کو وابستہ کرلیا تھا اور مسلم لیگ کی علاحدگی پسندی کی تحریک سے بے زاری ظاہر کی تھی، ہندوستان کے اس بڑے ترقی پسند اقدام میں شرکت کی۔ انھوں نے خلوصِ نیت اور اپنی تمام جسمانی و ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ اس میں حصہ لیا اور اُن کی خدمات کی قدر کی گئی۔ لیکن ان لوگوں کی جماعت کی اکثریت جو نہ تو دوسروں پر اعتماد کرتی تھی اور نہ خود اعتماد کے لایق تھی، الگ تھلگ رہی اور خوفزدہ، بے اعتمادی کی ماری ہوئی اور نظر انداز کی ہوئی یہ اکثریت نڈھال ہوتی رہی۔

اس مسلم اقلیت کے بیشتر افراد یہ محسوس کرتے تھے کہ ہندوستان کی یہ تعمیری سرگرمیاں ان کے لئے نہیں ہیں، وہ یہ خیال کرتے تھے کہ ہندوستان کی آزادی نے ان کے دشمنوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بے روک موقع دے دیا ہے کہ وہ انھیں مغلوب رکھیں اور ختم کردیں۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ اس نئی ریاست کی سیکولرزم جس کا بار بار اقرار اور اعلان کیا جاتا ہے محض فریب اور منافقت پر مبنی ہے، اور جمہوریت (ڈیموکریسی) کا مقصد یہ ہے کہ اُن کو اُن کے ووٹوں کی مؤثر اہمیت سے محروم کر دیا جائے۔

ہم ان اہم مسائل سے پھر بحث کریں گے۔ یہاں ہمیں یہ دیکھنا اور سمجھنا ہے کہ جس طرح کے حالات میں مسلمان گھرے ہوئے تھے اُن میں وہ یا کوئی اور جماعت کیسے نہ انھیں نتائج تک پہنچتی اور یہ چیز بُنیادی حیثیت رکھتی ہے، نہ صرف یہ اندازہ لگانے میں کہ اُن کے احساسات کیا تھے، اُن کی ہیجانی کیفیت کیا تھی بلکہ یہ بھی کہ اُن کے خارجی حالات کی نوعیت کیا تھی۔

یہ کلیہ بھی بے محل نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی مذہبی اقلیت یہ محسوس نہیں کرتی کہ وہ محفوظ ہے اور اس کے وجود کو اکثریت نے تسلیم کرلیا ہے۔ کمیونسٹوں کے برسرِ اقتدار آنے سے قبل غالباً چین میں یہ حالت نہیں تھی۔ اس لئے اس وقت کے حالات میں ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اقلیتوں کو اپنے غیر محفوظ ہونے کا احساس تھا۔ ابھی تک آدمی کوئی ایسا سماجی نظام نہیں بنا سکا ہے جس کی فضا ان گروہوں کے لئے بھی قابلِ اطمینان حد تک سازگار ہو جو پوری طرح اس نظام کو اپنا سکیں اور اس میں پوری طرح نہ شریک ہو سکیں، امریکہ میں حبشیوں کو، عیسائی دنیا میں یہودیوں کو، مصر میں قبطیوں کو اور کمیونسٹ بلاک میں کمیونزم کی آزاد تفسیر کرنے والوں کو خوفزدہ اور ہراساں رہنے کے وجوہ مختلف اور معقول ہیں۔ کسی بھی سوسائٹی میں اقلیت بن کر رہنا کوئی آسان اور خوش گوار بات نہیں ہے۔ حقوق اور آزادی، خواہ نامکمل ہی کیوں نہ ہوں، اپنی اہمیت رکھتی ہیں اور اس بات کو نظرانداز کر دینا حماقت ہے۔ (اقلیتوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ وہ خامیوں کو تو دیکھتی ہیں اور اُن کی شکایت کرتی ہیں مگر حقوق اور آزادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو خواہ وہ کسی درجہ کی ہوں تحسین کی نگاہوں سے نہیں دیکھتیں) لیکن اس حقیقت سے بھی آنکھ چرانا غلط ہے، خواہ اقلیتوں کو کتنی ہی آزادی ہو اور کتنے ہی حقوق ملے ہوں، انسانی معاشرہ کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ اس میں اقلیت کا کوئی فرد پورے اطمینان اور بھروسے سے نہیں رہ سکتا۔ اس کی زندگی مختلف قسم کے دباؤ سے دوچار رہتی ہے تاریخ انسانی کی تلخ حقیقتوں میں سے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کی شخصیت اُس آزاد نشوونما کی برکتوں سے محروم رہتی ہے جو ایک آزاد جماعت کے رکن کا حصہ ہوتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان اور ہندوستان کی مسلم اقلیت کا تعلق ہے: یہ بات بڑی غیر ذمہ داری کی ہوگی اگر دستورِ ہند کی آئینی دفعات کا صحیح اندازہ نہ لگایا جائے اور حکومت اور سوسائٹی کی لبرل اسپرٹ (Liberal Spirit) کو جیسی کہ وہ اس وقت پائی جاتی ہے، پیش نظر نہ رکھا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ناانصافی کی بات ہوگی اگر ماضی سے ورثہ کے طور پر ملے ہوئے مختلف عوامل اور حال کے واقعات کی رفتار سے جو بھائی چارہ کے احساس اور انسانیت کی فضا کی طرف نشانِ دہی کرتی ہے اعراض ہوتا جائے۔ سیکولرازم اور بغیر کسی امتیاز کے جمہوری انصاف کی منزل یقیناً ابھی دور ہے اور ابھی یہ محض نصب العین ہی ہے لیکن اس موقع پر اس سبق کو یاد رکھنا چاہیے جو فسطائیت نے ہم کو پڑھایا ہے: یعنی یہ کہ جمہوریت کی منافقانہ نمائش اور جزوی انصاف کا نمائشی اعلان بھی اپنی اضافی قدر و قیمت رکھتا ہے، اس قسم کے کسی نمائشی نصب العین

لہ کابینہ کے مسلم ممبر نمایاں رہے نہ صرف مشہور و معروف در مدت العمر کی بانی بیجانی مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت بلکہ لائق اور ہر دل عزیز رفیع احمد قدوائی جنھوں نے تن من سے ملک کی خدمت کی اور آزاد ہندستان کے شروع کے بحرانی سالوں میں مسئلہ خوراک کو حل کرنے میں کامیاب رہے۔ ان کے علاوہ دوسرے نمایاں مسلمانوں نے بھی سفیر، سول سروس کمشنر وغیرہ کی حیثیت سے اپنے ملک کی خدمت کی اور دہلی کے قریب جامعہ ملیہ نے جس نے پہلے سے ہی اپنا اعتبار قائم کر رکھا ہے، اپنے آپ کو ترقی و توسیع کی راہ پر گامزن پایا۔ (کم اہمیت رکھنے والے مسلمانوں نے، بہرحال یہ بات ضرور رکھی کہ اس قسم کا کام ان لوگوں کے لئے آسان تھا جو شہرت رکھتے اور چوٹی کے اشخاص شمار ہوتے تھے۔ گم نام اور دور دراز کے علاقوں کے مسلمانوں کے لئے یہ آسانی نہیں تھی۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا نہ ہونا اور کسی دوسرے خواب کی تعبیر کو عملی جامہ پہنانا کتنا تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے ہندی مسلمانوں کی ایک بہت چھوٹی سی تعداد نے اس قوم کے (جس کے کہ وہ ممبر ہیں) اعلیٰ مقاصد کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور ان کے حصول کے لئے حکومت اور دوسرے رہنماؤں کی دیانتدارانہ جد وجہد کو خراجِ تحسین ادا کیا۔ فرقہ وارانہ امتیاز سے بالاتر ہو کر اسٹیٹ نے خالص انسانی فلاح و بہبود کے متعلق جن مقاصد کا باضابطہ اعلان کیا ہے وہ حقیقتاً بڑے گراں بہا ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ، سوسائٹی میں وہ ہندو اور غیر ہندو رجحانات جو ان مقاصد کے حصول کے لئے کم از کم کچھ لوگوں کو حوصلہ بخشتے ہیں، اُن کی بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ یہ چھوٹی بات نہیں تھی کہ ہندوستانی قوم کے ہندو رہنماؤں نے سیکولرازم اور انسانیت کے نام پر ہندو اکثریت کے مسلمانوں سے انتقام لینے کے فطری اور بُنیادی طور پر خوفناک جذبہ کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اقلیت اقلیت ہی ہے۔ اس کی کوتاہیاں اور مایوسیاں، اس کا خوف اور اس خوف کے اسباب بھی مسلّم ہیں۔ یہ لسانی، معاشی، سیاسی اور اس قسم کے دوسرے اسباب ہیں جو حقیقی اور بڑے ہیں۔

مُسلمان ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنی زبان سے جسے وہ مذہب کے بعد دوسری اہم چیز سمجھتے ہیں، محروم نہ ہو جائیں۔ گذشتہ ۹ سالوں میں جب کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں حالات بتدریج روبہ اصلاح رہے ہیں، زبان کا مسئلہ جوں کا توں ہے اور حالات کی بہتری کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اور باوجود ہندوستان کے آئینی، جمہوری اور سیاسی نظام کے اور ہند و فلسفہ کے اس عنصر کے ہوتے ہوئے بھی کہ انسان کی اہمیت بحیثیت انسان کے پرکھنی چاہیئے، ہندو مذہب میں ذات پات کا نظام اپنی تمام تنظیمی خصوصیات کے ساتھ موجود ہے ذات پات کا یہ سسٹم اپنے پیچھے ایک فلسفہ بھی رکھتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس کے حامیوں کو اس کے قیام پر اصرار ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ انسانی دنیا کو ایک اچھا نظام اُخوت پیش کرنے میں جو ناکامیاں ہوئی ہیں اُن کی طویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ میں سماجی بے انصافی اور متشدد اور مغرورانہ عدم مساوات کی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ شروع میں ہم نے جو یہ کہا تھا اور جس کی وضاحت ابھی باقی ہے کہ ہندوستان کی مسلم جماعت ایک بڑی اہم اور تخلیقی کارنامے انجام دے سکنے کی پوزیشن میں ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کے سامنے اپنا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

انتشار جس کا سبب پاکستان ہے مسلمانان ہند کی مسلسل پریشانیوں اور احساس عدم تحفظ کا ہندو فرقہ پرستی کے بعد سب سے بڑا سبب پاکستان کا رویہ رہا ہے۔ ان کی زندگی کے انتشار میں پاکستان کے مسلمانوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ بعض حیثیت سے تو یہ محض پاکستان کا وجود ہے جس نے ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کو کمزور کر دیا ہے۔ اس کے قیام سے مسلم اقلیت بہت چھوٹی بن کر رہ گئی۔ غیر منقسم ہندوستان میں یہ صورت حال نہیں تھی۔

مزید براں، ہندوستان کے موجودہ مسلمانوں نے تمام دوسری پیشکشوں کے خلاف قیام پاکستان کے حق میں ووٹ دے کر نئے ہندوستان میں اپنی کسی خاص حیثیت کے استحقاق کو خود ہی رد کر دیا۔ (ان لوگوں نے ناقابل برداشت حد تک ایک بڑا مطالبہ کیا اور ہم نے اسے مان لیا۔ اب انھیں خاموش رہنا چاہیئے") ایک مسلم کسان جس کے سر میں کبھی کسی سیاسی تخیل کا سودا ہی نہیں سمایا تھا، اپنے گاؤں میں اس تنفر آمیز طنز کے ساتھ دھکے کھا سکتا ہے "تم کیوں نہیں نکل جاتے؟ تم کیوں نہیں اپنے پاکستان کا راستہ لیتے؟" اور اس بے چارے کی چیخ و پکار دور تک پہنچ بھی نہیں پاتی۔

بہرحال، پاکستان کے قیام کے باوجود مسلمانان ہند آسانی سے نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکتے تھے اگر "اسلامی" مملکت قوم کی سرگرمیاں ان کی راہ میں حائل نہ ہوتیں اس علاقہ میں مسلم مفادات کی فرقہ وارانہ تعبیرات کی بنیادوں پر جن طریقہ ہائے کار کو اپنایا گیا انھوں نے سرحد پار کے ہندوستانی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں مدد دی ہے۔

تقسیم کے بعد فوراً ہی یہ چیز شروع ہو گئی جب کہ پاکستانی مسلمانوں نے لاکھوں سکھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ہندوؤں کا قتلِ عام کیا اور انھیں جلاوطن کر دیا۔ مجموعی طور پر ہندوستان نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ یہ خوفناک صورتِ حال دونوں ملکوں کے لئے تباہ کن ہے۔ اس کے رہنماؤں اور مختلف شہریوں نے انسانیت کے اصولوں کے معیار پر اس طوفان و ہنگامہ کو جانچا اور "تاریخِ ہند کے اس تاریک ترین باب"[1] پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔ برخلاف اس کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں تھی کہ وہ تعصب کی تنگ نائیوں سے نکل کر اپنے اس تقریباً مساوی جرم کو تسلیم کرتا[2]۔ اس ملک کے مسلمانوں کو عام طور پر اس کا احساس نہیں ہے کہ دوسری طرف بھی لاکھوں آدمی اس خوفناک مصیبت کا شکار ہوئے۔ اس وحشیانہ پاگل پن کو محسوس کرنے اور تسلیم کرنے کی ذمہ داری مسلمانانِ ہند پر ڈال دی گئی جنھوں نے اپنے درمیان غضبناک پناہ گزینوں کو خوف اور تلخی کا موڈ لئے ہوئے کارواں در کارواں آتے دیکھا ____ انھوں نے اس پاگل پن کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ جزوی طور پر اس کی قیمت بھی ادا کی۔ (باقی)

---

[1] سردار پٹیل نے بنگلور میں کانگریسیوں کے ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے (۲۵ فروری ۱۹۴۹ء) ان لوگوں پر سخت تنقید کی جو "ہندو راج" اور "ہندو کلچر" کا نعرہ لگاتے تھے۔ انھوں نے کہا، کہ "گاندھی جی اس پُرفریب تخیل کے مخالف تھے لیکن ہم نے اُن کی نہیں سُنی اور جب ہم کو آزادی ملی تو ہم جانتے ہیں کہ ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کیا سلوک کیا، اب یہ تاریخ کا ایک واقعہ ہے اور ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی تاریخ میں اس کے تاریک ترین باب کی حیثیت سے محفوظ ہو گیا ہے۔" ____ ہندوستان ٹائمز، نئی دہلی ۲۶ فروری ۱۹۴۹ء لیڈروں کے اس قسم کے بیانات کے علاوہ اس مصنف نے معمولی شہریوں کو بھی (کلکتہ میں سکھ ٹیکسی چلانے والے اور ہندو پناہ گزیں جن سے ٹرینوں میں ملاقات ہوتی ہے) اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتے ہوئے پایا ہے۔ یہ سب فرقہ وارانہ کشیدگی اور تنفر پر افسوس کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے نتائج انسانیت کے لئے باعثِ شرم ہیں۔

[2] یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ کس طرح کتنی قتل و غارت گری ہوئی اور کہاں کہاں لوگوں کو کتنی کتنی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہر حال ۱۹۴۹ء میں اس مصنف نے بڑی توجہ سے اس کی تحقیق کی، خاص طور سے ان عیسائی رضاکاروں کی مدد سے جو شرنارتھیوں اور اغوا شدہ عورتوں کے کیمپوں میں کام کرتے تھے اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ پتہ لگانا دشوار ہے کہ کس طرف زیادہ ہنگامہ ہوا ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں دونوں طرف اتنا کچھ ہوا تھا کہ افسوس اور ندامت کا اظہار کیا جائے لیکن ۱۹۵۶ء میں بھی پاکستان میں حکومت اور شہریوں کی طرف سے جو لکھا اور شائع کیا جا رہا ہے اس میں ۱۹۴۷ء کے خون خرابے کے متعلق اپنے آپ کو بھی متہم نہیں کیا جاتا۔ پاکستان میں بعض اردو ناول ایسے لکھے گئے ہیں جن میں ۱۹۴۷ء کے واقعات کو فرقہ وارانہ انداز میں پیش کرنے کے بجائے انسانی نقطۂ نظر سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام رجحان میں ابھی کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ [معیاری رجحان ایک مثال: حکومت کی طرف سے شائع کی ہوئی۔ پاکستان، دی

© rasailojaraid.com